اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۹، شمارہ۱، مسلسل شمارہ:۱۷۳، سال ۲۰۲۴ء

ڈاکٹر کلیم قیصر کی نثر نگاری: لفظ اور خیال کی کاری گری

تنویر غلام حسین، پی ایچ ڈی
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو
منہاج یونیورسٹی، لاہور

DR.KALIM QAISER’S PROSE WRITING
WORD & THOUGHT’S SKILL

Taveer Ghulam Hussain, PhD
Assistant Professor of Urdu
Minhaj University, Lahore

Abstract

This essay examines prose writing of Balrampur’s famous poet Dr.Kalim Kaiser in lieu of his book ‘Lafzoon ka pul siraat’. His way of prose writing has unique characteristic as compared to other writers and is an important addition in Urdu literature’s character sketching tradition. Some of his sketches are very important such as Ghalib’s wife, ‘Umrao Begum’, ‘Ghalib’ and ‘Jigar Murad Abaadi’, are worth mentioning. Furthermore, his essay on Urdu Ghazal, ‘kal aur aaj’ discusses the evolution of Urdu Ghazal in historic way. His Urdu prose despite of having different colors defines his expertise on literary and prose writing.

Keywords:
Dr. Kalim Kaiser, Urdu, Ghazal, Umrao Begum, Ghalib, Jigar Murad Abadi,

کلیم الدین مکرانی، تخلص قیصر ۱۲،اکتوبر ۱۹۵۸ء کو بلرام پور اترپردیش، بھارت میں پیدا ہوئے۔ان کا شمار بھارت کے معروف اساتذہ، مقبول شعرا اور ادبا میں ہوتا ہے۔وہ بلرام پور کے گورنمنٹ کالج میں پرنسپل کے عہدے پر فائز رہے ہیں۔اس کے علاوہ وہ خلیجی ممالک میں منعقد ہونے والے مشاعروں کی بھی معروف شخصیت ہیں۔ان کی شاعری کے مجموعے، **بیربہوٹی**، **عشق تھا**، **غزلانش**(ہندی / اردو)، **گاؤں سے پکی سڑک تک**، **کربِ تبسم**،**امی حکیم** بھارت سے شائع ہوکر علمی و ادبی حلقے میں دادِ تحسین وصول کرچکے ہیں۔کلیم قیصر نے پی ایچ۔ڈی کا مقالہ **اردو غزل میں ہندوستانی سماج (آزادی کے بعد)**' کے عنوان سے تحریر کیا، جس پر انھیں راجستھان یونیورسٹی سے ڈگری تفویض کی گئی۔علاوہ ازیں انھوں نے اپنے ہم عصر شاعر ظہورالاسلام جاوید کے فن اور شخصیت پر بہ عنوان **کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا کیا؟** مرتب کی ہے۔کلیم قیصر سے ادبا و شعرا یقیناً شاعر کی حیثیت سے تو متعارف ہیں، لیکن بہت کم لوگ ہیں جنھوں نے اُن کی نثر کا مطالعہ کیا ہے اور جن کی نظر سے اُن کی ادبی تحریریں گزریں ہوں گی وہ اس بات سے بہ خوبی واقف ہیں کہ اُن میں ایک بہترین نثر نگار کے اوصاف بہ درجہ اتم موجود ہیں۔اس کا بیّن ثبوت اُن کی ۲۰۱۶ء میں شایع ہونے والی پہلی نثری تالیف بہ عنوان **لفظوں کا پُل صراط** ہے۔مقالہ ہذا میں ان کی اسی نثری تصنیف کو موضوعِ بحث لایا گیا ہے تاکہ ان کی نثری نگارشات کا جائزہ لیا جاسکے۔یہ کتاب ادبی نثر کی رنگارنگی کا مجموعہ ہے۔اس مجموعے میں متنوع موضوعات پر ڈاکٹر کلیم قیصر نے اپنے قلم سے رنگ بکھیرے ہیں۔بائیس موضوعات کا احاطہ کرتی اس کتاب میں قاری کو ادبی شخصیات کے خاکے بھی پڑھنے کو ملتے ہیں اور ہندوستان کے مختلف شعرا کی شاعری پر بے لاگ تبصرے بھی، جن کے ذریعے سے وہ اُن کی شاعری کا بھرپور تعارف کرواتے ہوئے نظر آتے ہیں۔علاوہ ازیں مجموعے میں شامل **اردو غزل کل اور آج** پر تحریر مضمون کلیم قیصر کے تحقیقی اور ادبی مزاج کا آئینہ دار ہے۔

علاوہ ازیں کتاب میں شامل مختلف ادبی شخصیات کے خاکے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔جس خوبی سے کلیم قیصر نے ان شخصیات کی زندگی، خوبیوں اور خامیوں کو بیان کیا ہے وہ خاکہ نگاری کی مکمل تعریف پر بہ درجہ احسن پورے اُترتے ہیں۔ان خاکوں میں مطلوبہ شخصیت کے خال وخد،افعال وافکاراور محاسن ونقائص بھرپور انداز سے اُجاگر ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔خاکہ نگاری کے حوالے سے کہاجاتا ہے کہ جب مجموعی طور پر کسی شخصیت کی صورت، سیرت، مزاج،افتادِ طبع ، ذہنی استعداداور حالاتِ زندگی وغیرہ

کا علم، الغرض اُس شخصیت کا ادبی تعارف جامعیت کے ساتھ قاری کے سامنے آجائے تب کوئی بھی خاکہ کام یاب کہلاتا ہے۔ کلیم قیصر کے زیرِ مطالعہ شخصی خاکوں میں یہ تمام خوبیاں بہ درجہ اتم موجود ہیں۔اسی لیے بہ جا طور پر ان خاکوں کو، خاکہ نگاری کی روایت میں اہم اضافہ سمجھنا چاہیے۔انھیں نکات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مجموعے میں شامل شخصی خاکوں کا جائزہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

مجموعے کا اولین مضمون اچھوتا اور قابلِ توجہ ہے جو مرزا غالب(۱۷۹۷ـ۱۸۶۹ء) کی بیوی امراؤ بیگم کے شخصی خاکے پر مشتمل ہے۔اس مضمون میں انھوں نے جس طرح نفسیاتی پہلوؤں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے امراؤ بیگم اور غالب کے ازدواجی تعلقات کی باہمی بانکیوں کو پیش کیا ہے اور اُن کی تقریباً ساٹھ برس کی طویل رفاقت کا تجزیہ جس عمدگی سے کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔غالب کی اپنی بیگم کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور قلبی وابستگی کی جھلک جس حقیقی انداز میں کلیم قیصر نے دکھانے کی کوشش کی ہے، درست ہے کہ اس سے پہلے ان پہلوؤں سے غالب کی خانگی زندگی کو پیش نہیں کیا گیا ہے۔اس لحاظ سے اُن کا امراؤ بیگم کا یہ شخصی خاکہ مطالعہ غالبیات میں گراں قدر اضافہ ہے۔اس خاکے میں انھوں نے امراؤ بیگم اور غالب کی ازدواجی رفاقت کو ایک الگ رنگ میں پیش کرکے تذکروں اور خود غالب کے اشعار اور خطوط میں جو تصویر اس سے پہلے ناقدین پیش کرچکے ہیں، اُس کی نفی کی ہے اور ایک الگ زاویۂ نگاہ سے ہمیں امراؤ بیگم اور غالب کے تعلقات سے متعارف کروایا ہے۔علاوہ ازیں یہ خاکہ کلیم قیصر کی ادبی نثر نگاری کے معیار کا بہت واضح ثبوت بھی ہے۔امراؤ بیگم اور غالب کے خانگی تعلقات اور ان کی شخصیت کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> ”غالب کی خانگی زندگی سے وابستہ واقعات و لطائف کا تذکرہ خوب خوب کیا گیا ہے مگر کہیں کہیں الطاف کی شدت بے جا سے امراؤ بیگم کی شخصیت مجروح ہوتی نظر آتی ہے۔کیوں کہ ان تذکروں میں بہت کچھ زیبِ داستان کے لیے بڑھا دیا گیا ہے جسے غالب یا امراؤ بیگم کی باہمی زندگی سے کسی طرح خارج نہیں کیا جاسکتا۔غالب کے شاعر، مفکر، دانش ور ہونے میں کسی طرح کے شک وشبہات کی گنجائش ادبی کفر کے مترادف ہے مگر بہت سے تذکرہ نویس حضرات نے ان کی زندگی سے متعلق کچھ ایسی باتیں بھی تحریر کردی ہیں جن کا حوالہ ہنوز مشکوک نظر آتا ہے۔مگر غالب نوازوں کے زورِ زبان کے آگے لوگ انھیں غلط ثابت کرنے کی جرأت نہ کرسکے۔۔غالب اور امراؤ بیگم،زندگی کی گاڑی کے مربوط

پہیے تھے۔ایک دوسرے سے روحانی لگاؤ رکھتے تھے۔نصف صدی سے زائد عمر کا حصّہ دونوں نے ایک دوسرے کی رفاقت میں گزارا جو کسی نظیر کے لیے بہت معنی خیز ہے۔"(۱)

اس مجموعہ کا ثانی الذکر مضمون بہ عنوان **غالب کے ادبی نقوش ۱۸۵۷ء کے آئینے میں**، اس میں کلیم قیصر نے غالب کی ۱۸۵۷ء کے آس پاس کی تحریر ادبی نگارشات کے بہ جائے ان کی شاعری سے استفادہ کرتے ہوئے، غالب کی خانگی زندگی کی تصویر کو تجزیاتی انداز میں واضح کیا ہے۔غالب کے اشعار کے علاوہ ان کی فارسی تصنیف **دستنبو** کے تناظر میں غالب کے حالات کا جائزہ لیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ سماجی حالات اور غیر محفوظ ماحول کی مایوسی اور رنج، نثر کے بہ جائے اُن کی شاعری میں زیادہ حقیقی رنگ میں نظر آتا ہے۔ غرض درج بالا ان دونوں شخصی خاکوں میں امراؤ بیگم اور غالب کو سابقہ روایات سے ہٹ کر دکھایا گیا ہے، جو مطالعۂ غالبیات میں منفرد اضافہ ہے۔

اگلا مضمون بہ عنوان "جگر مراد آبادی (۱۸۹۰۔۱۹۶۰ء) کا نظریۂ حسن و عشق" میں کلیم قیصر نے جگر مراد آبادی کا شخصی تعارف، اُن کے آبا کی شعری وراثت اور اصلاحِ سخن کے اُستاد داغ دہلوی (۱۸۳۱۔۱۹۰۵ء)، خاص طور سے امیر اللہ تسلیم لکھنوی (۱۸۱۹۔۱۹۱۱ء) کا مکمل تعارف دیا ہے جو جگر کی زندگی میں کلیدی کردار کے مالک تھے۔اس خاکے میں انھوں نے جگر مراد آبادی کی زندگی کے کم و بیش ہر پہلو کا بہت عمیق گہرائی سے مطالعہ کرتے ہوئے ان کے زندگی کے ارتقائی ادوار کا بہت خوب صورتی سے تجزیہ پیش کیا ہے۔ان کی شاعری کے اس مطالعاتی جائزے سے وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جگر مراد آبادی کے یہاں عشق کی پاکیزہ قدروں کی شناخت اول تا آخر یکساں موجود ہے۔ جگر کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کلیم قیصر کی ادبی نثر کا رنگ ملاحظہ فرمائیے:

"ان کی شاعری میں اول تا آخر جذباتی حقیقت نگاری، نفسیاتی گیرائی اور وارداتِ قلبی کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ان کی غزلوں نے غزل کے مزاج کو وہ وسعت عطا کی کہ غزل کی عظمتیں تمام صنفِ سخن میں اپنے آپ کو تسلیم کرانے میں فخر محسوس کرنے لگیں۔ انھوں نے فنِ تغزل کے معیار کو برقرار ہی نہیں رکھا بلکہ اسے یک گونہ بلندی عطا کی۔اسے قلب و نظر اور عہدِ رواں سے ہم آہنگ کیا۔فکر اور جذبہ کو حسنِ معنی عطا کیے۔حسن و عشق کی عظمتوں کے علاوہ ان کی غزلوں میں انسانی بوالعجبی پر کرب آمیز تاسف بھی واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ان کا فن، ان کا پیغام کسی خاص فرقہ کے لیے نہیں، بلکہ تمام عالمِ انسانیت

اور تمام اہلِ دل و نظر کے لیے ہے۔ وہ اپنے انھیں اوصاف و خصائل کے پیشِ نظر اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ مقبول، ممتاز اور محبوب نظر آتے ہیں۔"(۲)

درج بالا شخصیات کے علاوہ کلیم قیصر نے جن شعرا و ادبا کے تعارف میں شخصی خاکے قلم بند کیے ہیں، ان میں خمار بارہ بنکوی(۱۹۱۹۔۱۹۹۹ء) کا خاکہ بہ عنوان **جیتے رہیے**، ملک زادہ منظور احمد (۱۹۲۹۔۲۰۱۶ء) کا شخصی خاکہ بہ عنوان **میرے مشفق**، انجم عرفانی(۱۹۳۷ء) کا خاکہ بہ عنوان **درویش خدا مست**، انور جلال پوری(۱۹۴۷۔۲۰۱۸ء) کا خاکہ **سنگ میں نہر بنانے کا ہنر میرا ہے** کے عنوان سے، نارنگ ساقی (۱۹۳۶ء) کا شخصی خاکہ اور ان کی لطائف کی کتاب پر اجمالاً تبصرہ **مسرتوں کے سفیر** کے نام سے، عمر قریشی(۱۹۲۷۔۲۰۰۵ء) کا خاکہ بہ عنون عوامی مشاعروں کا ساحر اور ظہور الاسلام جاوید(۱۹۴۸ء) کا شخصی خاکہ **فاتح شہر جنوں** کے عنوان سے اس مجموعے میں شامل ہے۔ ان خاکوں میں کلیم قیصر نے شعرا کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ ادب کا ایک عام قاری جو ان شعرا کو بہ ذاتِ خود نہ جانتے ہوئے بھی صرف ان خاکوں کے مطالعہ سے ایسا محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ ان سے پہلے ہی متعارف ہو چکا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کلیم قیصر قاری کا ہاتھ تھام کر اُن شخصیات سے تعارف کروا رہے ہیں۔

ان خاکوں میں انھوں نے جس خوبی سے شخصیات کی اعادات و خصائل کا نقشہ کھینچا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس حوالے سے اُن کے قلم کی روانی اور برجستگی لائقِ تحسین ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعری کی طرح نثر میں بھی اُن کے ہاں لفظوں کی کاری گری کا ورود لاشعوری طور پر ہو رہا ہے اور اُن کی شعوری کاوش کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ مختلف شعرا کے احوال میں تحریر ڈاکٹر کلیم قیصر کے چند اقتباسات، جو اُن کی تخلیقی نثر نگاری کے اعلیٰ معیار کا واضح ثبوت ہیں، ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ محمد حیدر خان خمار المعروف خمار بارہ بنکوی کا تعارف کرواتے ہوئے اُن کی نثر کا رنگ دیکھیے:

"اُردو غزل کی روایتی عظمتوں کے تاج دار، غزل کی غنائیت کے علم بردار، کلاسیکی شاعری کا اعتبار، محبوبیت و مقبولیت کا وقار، اپنی ذات میں باغ و بہار، محمد حیدر خاں خمارؔ۔۔۔ کا نام دنیا بھر میں شائقینِ شاعری کے لیے محتاجِ تعارف نہیں۔"(۳)

ملک زادہ منظور احمد جو کلیم قیصر کے استاد، مربی، رفیق اور مشفق دوست تھے، سے بہت متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کے خاکے میں کلیم قیصر ان کے اعلیٰ ادبی اور شعری ذوق کے بہت معترف نظر آتے ہیں،

خاص طور پر اُن کی اخلاقی اقدار اور مشفقانہ طرزِ عمل کو بہت سراہا ہے۔ اُن کی شخصیت کو کلیم قیصر ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

"اللہ نے انھیں عزت، شہرت، مقبولیت سے بھرپور نوازا تھا جس سے دوسرے لوگ استفادہ کرتے رہتے تھے۔ عزت، شہرت تو اللہ سب کو دے دیتا ہے، مگر ملک زادہ صاحب کو جو عوامی محبوبیت اس نے عطا کی تھی وہ بہت کم لوگوں کے نصیب میں آتی ہے۔ مہتاب کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ اس کی روشنی میں کتنے لوگ نہاتے ہیں۔ آئینہ اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ اس میں سجانے، سنوارنے کا ہنر ہے۔ ان سب کا کام لوگوں کو فیض پہنچانا ہے۔ ملک زادہ صاحب اس ماہتاب کی مانند تھے جو بلا کسی اجرت، بلا کسی تفریق کے دوسروں کے لیے شب بیداری کرتا ہے۔"(۴)

انور جلال پوری کی شخصیت کا نقشہ کچھ اس انداز میں کھینچتے ہیں:

"ان کی شخصیت میں جو سادگی مترشح ہوتی ہے اسے لفظیات میں قید کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اسی لیے وہ اپنوں کے علاوہ بیگانوں میں بھی بے انتہا مقبول و محبوب ہیں۔ یہ محبوبیت بڑی جانفشانی کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ پڑھنے لکھنے کا شوق اس قدر ہے کہ چاہے جتنی تکان ہو، چاہے کتنی راتوں کے جاگے ہوں، بغیر دو چار گھنٹے مطالعہ کیے انھیں نیند نہیں آتی۔"(۵)

نارنگ ساقی کے احوال میں لکھتے ہیں:

"ساقی صاحب ایک ایسے پروانۂ ادب ہیں جن کی خصلت مکمل طور پر پروانے کی ہے۔ وہ وفاداری، بشرطِ استواری کی تکمیل میں دوستوں پر جان نچھاور کر دیتے ہیں۔ اس سے انکار کفر ہے۔ مایوسی، ناکامی اور نامرادی ان کے قریب سے گزر کر اپنا خسارہ کرتی ہے۔ کوئی کام جو ان سے نہیں ہونے والا ہوتا ہے، اسی سے وہ انکار کرتے ہیں۔ البتہ جو کام ان کا نہیں یا غیر معیاری ہے اس کے لیے انھوں نے صاف منع کر دیا۔ ان کی پوری زندگی ایک شانِ امتیازی کے ساتھ گزری ہے۔ وہ ساقی گری سے جنوں کی بخیہ گری تک ایک مثالی شخصیت تھے۔"(٦)

عمر قریشی کی شخصیت کے سحر کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"عمر قریشی گورکھپوری چھوٹے قد کے بہت بڑے آدمی تھے۔ زیرو سے ہیرو تک کا سفر انھوں نے جس اعتماد اور عوامی مقبولیت کے ساتھ طے کیا اس کا اندازہ باآسانی لگایا جاسکتا

ہے۔ عمر صاحب کی روایتی تعلیم جو بھی رہی ہو مگر ان کی تربیت میں علمائ، ادبا اور شعرا اور مخصوص دانشورانِ قوم کی صحبت اور نظریات شامل تھیں۔ بحیثیت ناظمِ مشاعرہ انھیں لاکھوں کروڑوں لوگ جانتے اور پہنچانتے تھے۔ یہ لفظ ساحر میں نے یوں ہی استعمال نہیں کیا بلکہ میں نے اپنی نظروں سے ہزاروں سامعین کو ان کے لفظیات کے زیروبم میں سحر زدہ ہوتے دیکھا ہے۔"(۷)

کلیم قیصر نے اپنے ہم عصروں کی شاعری کے مقام و مرتبے کو بھی بھرپور انداز میں سراہا ہے۔ اس مجموعے میں شامل ان کے ہم عصر شعرا پر تعارفی مضامین اس بات کا بیّن ثبوت ہیں۔ اس حوالے سے ان کے مضامین میں انعام گوالیاری کی شاعری پر تبصرہ بہ عنوان "زود حس منصف مزاج شاعر"، مسرت جبیں زیبا(۱۹۵۱ء) کی شاعری کا جائزہ بہ عنون"معاشرتی قیود کی بالغ نظر شاعرہ"، ڈاکٹر مدھوریماسنگھ (۱۹۵۶ء) کی شاعری و شخصیت پر تحریر "اُردو شاعری کی مہادیوی" کے نام سے، رشید میواتی کی شاعری پر "مثبت قدروں کا شاعر" کے نام سے، جگر جالندھری(۱۹۳۵ء) کی شاعری پر "توسیع روایات کا شاعر" کے نام سے، ڈاکٹر افروز عالم(۱۹۵۷ء) کے شعری مجموعے "الفاظ کے سائے" پر "روشن لفظیات کا شاعر" کے نام سے، منور رانا(۱۹۵۲ء) کی شاعری پر "اپنی انّا کا شاعر" کے نام سے، بھائی نواز کی شاعری پر بہ عنوان "تہذیبی قدروں کا اعزاز"، تشنہ عالمی (۱۹۳۵۔۱۹۹۱ء) کی شاعری پر بہ عنوان "انسانیت اور شاعری کا محسن"، ریحانہ نواب (۱۹۵۸ء) کی شاعری پر بہ عنوان" غزل کی معصوم شاعرہ" اور عبدالحیٔ پیام انصاری(۱۹۴۲ء) کی شاعری پر "قلندر صفات شاعر" کے نام سے اپنے خیالات کو قلم بند کیا ہے۔ اس مجموعے میں شامل ان مضامین کے ذریعے کلیم قیصر نے دیدہ و شنیدہ دونوں احباب کو جس خوبی سے اہلِ ادب سے متعارف کروایا ہے، اس سے ان شخصیات کی شاعری کے مطالعے کی خواہش قاری کے دل میں زوروشور سے جاگ اُٹھتی ہے۔

مرغوبیت کا یہ انداز انعام گولیاری کے تعارف میں اور اُن کی شاعری کے مقام و مرتبے کے حوالے سے لکھی گئی ذیل کی سطور میں قابلِ توجہ ہے:

"انعام گولیاری ایک شخص نہیں بل کہ ایک شخصیت تھے، ایک فرد نہیں بل کہ ایک انفرادیت کی مثال تھے۔ یہ اُس قبیل کے شاعر گزرے ہیں جن پر اب تک بہت سا کام ہو جانا چاہیے تھا کیوں کہ ان کے کارہائے نمایاں جو ابھی تک پوری طرح منظرِ عام پر نہیں

آسکے ہیں انھیں عوام تک پہنچانانہایت ضروری ہے ورنہ بہتر ادب وشاعری کا بہت بڑا خسارہ ہو گا۔"(۸)

مسرت جبیں زیبا کے بارے میں لکھتے ہیں:

"زیبا کی شخصیت اور شاعری میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں ہے۔وہ بالغ نظر عورت کے جذبات کی ترجمان ہیں۔وہ بھی ایسے جذبات واحساسات شرعی اور معاشرتی قیود میں رہ کر اظہار کرنے کی جرأت رکھتے ہوں۔زیباؔ کی تخلیق انھیں لطیف ترین دھڑکنوں کی امانت دار ہے۔ان کی سوچ ذہن کی بیداری اور روح کی سرشاری کی غمازی کرتی ہے۔"(۹)

جگر جالندھری کے ذیل میں اُن کی نثر کا انداز ملاحظہ فرمایئے:

"جگر جالندھری کی شاعری موضوع کے اعتبار سےعاشقانہ ہوتے ہوئے، لہجے کے اعتبار سے فقیرانہ صفات کی حامل ہے۔دردِ دل کی لطیف دھڑکنوں کی امانت ہے۔انھوں نے شعری لطافت کو مجروح ہونے سے بچائے رکھا ہے۔ذاتی واردات کے ساتھ ساتھ زندگی کے نشیب وفراز کا بھی تجزیہ کیا ہے۔ایسی شاعری انسانی دردمندی کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ان کی لفظیات قدیم شاعری سے مستعار ہوتے ہوئے بھی جدید معنویت کا ہر طرح احساس دلاتی ہیں۔ایسی کاوش صادق جذبات اور تجربے کی گیرائی سے عبارت ہوتی ہے۔"(۱۰)

اسی طرح ڈاکٹر افروز عالم کی شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ان کے موضوعات تلاشِ گمشدہ سے علاقہ نہیں رکھتے بلکہ ایک مستقل جستجو کی تبلیغ کرتے ہیں۔افروز عالم کی شاعری کی ایک اور خوبی ان کے تجربہ کا بیان بھی ہے۔کچھ لوگ بیان کا تجربہ رکھتے ہیں جنھیں بیان کا تجربہ ہوتا ہے ان کے یہاں کہیں نہ کہیں شاعری میں موضوع کا فقدان آنے لگتا ہے، مگر تجربہ کے بیان میں بڑی سادہ کاری ہوتی ہے۔افروز عالم کے موضوعات بہت بڑے نہیں ہوتے ہیں مگر ان کے بیان میں جدید محسوسات (Modern Sensibility) کی ترجمانی ضرور ہوتی ہے۔ان کے یہاں روایتی قدروں کا التزام بھی خاصا نظر آتا ہے۔ان کے دل آشوب موضوعات کے پیشِ نظر کہے گئے اشعاران کی یادوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔محبت، سوچنے کا جذبہ ان کے یہاں تمثیل کی

حیثیت رکھتا ہے۔ محبت شاعری کی Energy ہے اور انرجی (قوت) کے بنا کسی مادہ کا بہت دیر تک حیات کی قید میں رہنا ناممکن ہوتا ہے۔ یہ بات افروز اچھی طرح جانتے ہیں۔"(۱۱)

تشنہ عالمی کی شخصیت کا تعارف کرواتے ہوئے کلیم قیصر کی نثر کا رنگ دیکھیے:

"ایک قمیص یا کرتا، ڈھیلی ڈھالی پینٹ، معمولی سی چپل پلاسٹک یا چمڑے کی اور کبھی کپڑے کا بنا جوتا۔ سر پر انگریزوں والی ٹوپی، بغل میں ایک کھادی کا جھولا، یہ ہیں سیّد فضل الرحمٰن تشنہ عالمی۔۔۔ جو میری نظر میں فرد نہیں بلکہ ایک انفرادیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک ایسا شخص جس میں انسانی قدروں کی جتنی بھی خوبیاں شمار کی جا سکتی ہیں سب کی سب بدرجہ اتم موجود ہیں۔"(۱۲)

کلیم قیصر کے درج بالا نثری اقتباسات اس بات کی روشن مثال ہیں کہ اُن میں ایک اچھے نثر نگار کی خوبیاں موجود ہیں۔ اُن کے بیان کی سادگی، سلاست و روانی اور کہیں کہیں شاعرانہ رنگین بیانی کا امتزاج، ان کی نثر کو انفرادیت عطا کرتا ہے۔

علاوہ ازیں اس مجموعے میں شامل اُن کا ایک ادبی انداز میں تحریر کیا گیا تحقیقی مضمون بہ عنوان "غزل کل اور آج (ایک مختصر ترین جائزہ)" خاصے کا مضمون ہے۔ یہاں ہمارے پیش نظر یہ امر ضرور ہونا چاہیے کہ کلیم قیصر کا پی ایچ ڈی کا مقالہ بہ عنوان **اُردو غزل میں ہندوستانی سماج (آزادی کے بعد)** تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مضمون میں انھوں نے ہندوستان میں لکھی جانے والی اردو غزل کا ارتقائی جائزہ تاریخی حوالے سے مختصراً لیکن عمدہ اور بھرپور انداز میں پیش کیا ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے غزل کے اجمالی تعارف سے لے کر آغازِ دکن سے اولین، متوسطین شعرا سے لے کر متاخرین تک اردو غزل کی ارتقائی منزلوں کا معنوی اور موضوعاتی سطح پر جائزہ پیش کیا ہے۔ اردو غزل کے ارتقا میں غالب، حالی (۱۸۳۷۔۱۹۱۵ء) اور اقبال (۱۸۷۷۔۱۹۳۸ء) کو انھوں نے "زبردست تجربہ پسند شاعر" قرار دیا ہے۔ کلیم قیصر کے خیال میں ترقی پسند دور میں اگرچہ اردو غزل کو نقصان پہنچا لیکن اس کے باوجود فیض (۱۹۱۱۔ ۱۹۸۴ء)، فراق (۱۸۹۶۔۱۹۸۲ء)، مجروح (۱۹۲۰۔۲۰۰۰ء)، ساحر (۱۹۲۱۔۱۹۸۰ء)، جذبی (۱۹۱۲۔۲۰۰۵ء)، احمد ندیم قاسمی (۱۹۱۶۔۲۰۰۶ء) اور ناصر کاظمی (۱۹۲۵۔۱۹۷۲ء)، وغیرہ نے غزل کو نئی معنویت سے بھی روشناس کروایا۔ ان کے خیال میں ساٹھ کی دہائی اور بعد میں اردو غزل کی روایت تبدیل ہوئی اور اس دور میں زوال کی نوحہ گری اور زندگی کی تلخ حقیقتوں کا بیان کثرت سے ملتا ہے۔ اس دور کی غزلوں کا جائزہ لیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ”اس دور کی غزلیں زوال کی نوحہ گر اور خیالات کی سچائی کی نمائندہ ہیں۔ موضوعات میں زندگی کی کھردری حقیقتوں کے پیکر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ غزلیں عظمتِ فکر و فن کی علامتیں تو نہیں بن سکیں البتہ ذاتی تناظر کے ساتھ سیاسی، سماجی، تہذیبی، فکری تناظر میں الجھ کر محدود ہو گئیں۔ یہ غزلیں حال کی نہیں بلکہ حالات کی عکاس بن کر رہ گئیں۔ ان سچائیوں کے پیش نظر نئی غزل یا جدید فکر و نظر رکھنے والے شعرا کے یہاں غزل کی روایتی ہیئت کو تحلیل کرنے کے لیے مخصوص علامتوں کا کلیدی کردار رہا ہے۔“(۱۳)

آج کے دور میں کہی جانے والی غزل کو دیکھا جائے تو اسے ڈاکٹر کلیم قیصر ایک الگ رنگ میں دیکھ رہے ہیں جو اپنے میلانات اور لفظیات کے حوالے سے سابقہ ادوار سے بہت مختلف ہے۔ اس دور کا تجزیہ وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ”ہمارے عہد کے شعرا کی غزلیں جن حقائق و نظریات کی تبلیغ کر رہی ہیں آنے والا وقت اُن غزلوں کی سمت متعین کرے گا، کیوں کہ ہمارے دور کی شاعری زندگی کی تنقید کی طرف مائل ہے۔ وقت اور حالات کے تناظر میں بہت سے اشعار کہے جا رہے ہیں جن میں نئے نئے لفظیات کی ادائیگی ہو رہی ہے۔۔۔ پچھلی دو دہائیوں میں یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ غزل میں صنعتی انقلاب، شہری اور قصباتی زندگی کی جھلکیاں مشترکہ خاندانوں کے بکھراؤ کے سبب فرد کی ذات خود میں مشکوک ہو کر رہ گئی ہے جنھیں شاعری میں اپنے انداز میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ادھر اُردو غزلوں میں جانوروں اور پرندوں کو لفظیاتی علامت بنا کر شعر کہے جا رہے ہیں جن کے معنی و مفاہیم دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔۔۔ دورِ حاضر کی غزلوں میں اُردوے معلّیٰ کے شعری محاسن یا قدما کی روایتیں تلاش کرنا کارِ بے مقصد ہے۔“(۱۴)

اس مضمون میں انھوں نے حوالے کے لیے زیادہ تر امثال ہندوستانی شعرا کی پیش کی ہیں۔ یقیناً غزل کا درست تجزیہ اُس وقت ہوتا جب وہ پاکستانی شعرا کے اشعار بھی مثال کے لیے پیش کرتے۔ اس صورت میں یقیناً درج بالا تجزیے میں چند قدرے مختلف جملے بھی شامل ہو جاتے۔ پاکستان میں آج بھی معقول تعداد میں ایسے شعرا ہیں جن کی غزل میں قدما کی روایتی جھلکیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً خورشید رضوی (۱۹۴۲ء)، باقی احمد پوری (۱۹۴۲ء)، افتخار عارف (۱۹۴۳ء)، سعود عثمانی (۱۹۵۸ء)، معین نظامی (۱۹۶۵ء)، وغیرہ کا نام خصوصیت سے لیا جا سکتا ہے۔ غرض کئی شعرا ہیں جو اردو غزل کی کلاسیک

روایت سے آج بھی کم کم ہی انحراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اُن کی غزل اپنے مزاج میں قدیم اور زریں روایات کی امین ہے۔ہاں یہ ضرور ہے پاکستان میں با قاعدہ مشاعرے کی روایت دم توڑ چکی ہے جو کہ بھارت میں اب بھی موجود ہے۔یہی وجہ ہے کہ بھارت میں غزل کی روایت آج بھی توانا اور بھرپور نظر آتی ہے۔

المختصر دیکھا جائے تو کلیم قیصر کا نثری مجموعہ **لفظوں کا پُل صراط** متنوع رنگوں کے باوجود اُن کے مزاج کی ادبی اور نثری پختگی کی نمائندگی کرتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ شاعر زیادہ حساس ہوتا ہے۔لیکن کلیم قیصر کی یہ حساسیت،اُن کی ادبی تحریروں میں بھی بہت نمایاں ہے اور جس برجستگی،روانی سے وہ عام اور سادہ لفظوں کو ترتیب کے ساتھ جملوں میں استعمال کرتے ہیں،یہ ایک منجھا ہوا ادیب ہی کر سکتا ہے۔اس مجموعے کے آغاز میں انھوں نے اپنی نثر نگاری پر گفتگو کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ اولاً انھوں نے افسانے اور کہانیاں لکھیں لیکن انھیں شایع نہیں کرا سکے۔اس مجموعے کی اشاعت کے بعد اُنھیں اُن کہانیوں کو بھی از سرِ نو تلاش کر کے منظرِ عام پر لانا چاہیے تاکہ قارین کو ایک معیاری اور اعلیٰ افسانوی ادب پڑھنے کو ملے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱)کلیم قیصر بلرام پوری، لفظوں کا پُل صراط،(لکھنو:نعمانی پرنٹنگ پریس،۲۰۱۶ء)،۱۷۔

(۲)ایضاً،۳۶۔۳۷ ۔

(۳) ایضاً،۳۸۔

(۴)ایضاً،۶۷۔

(۵)ایضاً،۹۲۔

(۶)ایضاً،۱۰۰ ۔

(۷)ایضاً،۱۰۷ ۔

(۸)ایضاً،۱۱۶۔

(۹)ایضاً،۱۲۵۔

(۱۰)ایضاً،۱۵۱۔

(۱۱)ایضاً،۱۶۱۔

(۱۲)ایضاً،۱۸۰۔

(۱۳)ایضاً،۵۸،۵۷ ۔

(۱۴)ایضاً،۶۳۔

BIBLIOGRAPHY

- Dr. Kalim Kaiser, *Lafzuṉ ka pul Sirāt*, (Laknow: Nomani printing Press. 2016).

❖❖❖